۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز — قانونِ مکافات

دنیا میں ہمیشہ غلط کار، مجرم، بدکردار اور ظالم اربابِ اقتدار لوگوں کا یہ خاصہ رہا ہے کہ اپنے ظالم پیش رووں اور غلط کار حکمرانوں کے انجام کی پوری تاریخ ان کے سامنے ہوتی ہے مگر وہ اس سے سبق نہیں لیتے حتیٰ کہ اپنے پیش رو حکمرانوں کا جو انجام خود ان کے اپنے ہاتھوں ہو چکا ہوتا ہے اس سے بھی انہیں عبرت حاصل نہیں ہوتی ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا کا قانونِ مکافات صرف دوسروں ہی کے لیے تھا، ان کے لیے اس قانون میں ترمیم کر دی گئی ہے ۔ پھر اپنی کامیابیوں کے نشے میں وہ یہ بھی فرض کر لیتے ہیں کہ دنیا میں سب احمق بستے ہیں کوئی نہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے نہ اپنے کانوں سے سن سکتا ہے اور نہ اپنے دماغ سے واقعات کو سمجھ سکتا ہے ۔ بس جو کچھ وہ دکھائیں گے اسی کو دنیا دیکھے گی ۔ جو کچھ وہ سنائیں گے، اسی کو دنیا سنے گی، اور جو کچھ وہ سمجھائیں گے دنیا بزاخفش کی طرح اسی پر سر ہلاتی رہے گی ۔ یہی برخود غلطی پہلے بھی بہت سے بزعم خویش عاقل اور فی الحقیقت غافل حکمرانوں کو لے بیٹھی ہے اور اسی کے برے نتائج دیکھنے کے لیے موجودہ برخود غلط حکمران بھی لپکے چلے جا رہے ہیں ۔

اس کی تازہ ترین مثال گذشتہ دنوں حکومت کی دو سالہ کارکردگی پر جشن ہائے فتح اور پورے ملک میں مجالس طرب و نشاط کا انعقاد تھا حالانکہ اسے یوم احتساب ہونا چاہیئے تھا ۔

نوعِ انسانی بالخصوص پاکستانی باشندے عذاب کی جن مختلف اقسام سے آشنا ہیں اس میں ایک قسم یہ بھی ہے کہ جن لوگوں کو عوامی زندگی کا سب سے زیادہ راز دان ہونا چاہیئے وہ اس سے سب سے زیادہ بے تعلق ہو گئے ہیں وہ انسانی احساسات و جذبات سے بہت دور ایک ایسی رنگین فضا میں وقت گذارنے کے عادی ہو گئے ہیں جہاں زندگی کے حقائق انہیں اپنے اصل رنگ و روپ میں نظر نہیں آنے پاتے انہیں اول تو اپنے عیش و آرام سے فرصت ہی نہیں ملتی کہ وہ زندگی کی تلخیوں کا جائزہ لے سکیں اور اگر کبھی وہ اس کا عزم بھی کریں تو چاپلوسوں کا ایک جم غفیر انہیں حقیقتِ حال تک پہنچنے نہیں دیتا و ان کے سامنے رنگا رنگ کے آئینے آویزاں کیے ہوئے ہے جن میں دیکھنے سے انہیں ہر لمحہ حرف بھی

نظر آتا ہے کہ حضور کا اقبال ترقی پر ہے دشمن اپنی موت مر رہا ہے عوام خوشحال ہے اور ہر نفس حضور کی سلامتی اور درازیٔ عمر کے لیے دعاگو ہے لوگوں کو کوئی تکلیف اور پریشانی نہیں، انہیں کوئی اضطراب ہے تو یہی کہ حضور خدانخواستہ رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ ان کی زندگیاں تو حضور کے ساتھ وابستہ ہیں۔

چاپلوس اور خوشامدی لوگوں کی یہ مدح سرائی درحقیقت برسرِ اقتدار گروہ کے لیے سب سے بڑی آزمائش اور سب سے زیادہ خوفناک فتنہ ہے۔ بے جا مدح سرائی کرنے والے خودغرض لوگ انہیں اتنا موقع ہی نہیں دیتے کہ وہ حیاتِ انسانی کا صحیح طور پر مطالعہ کرسکیں لوگ فاقے سے مرتے ہیں اور چاپلوسوں کا طائفہ انہیں یہ باور کراتا ہے کہ وہ خوشحالی کی زندگی بسر کر رہے ہیں، ملک کا امن غارت ہوتا ہے اور عوام چیختے چلاتے ہیں اور ہر طرف سے نالہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ لیکن یہ حکمران طبقہ کے دل و دماغ میں اس باطل خیال کو بٹھلانے کی کوشش کرتا ہے کہ مدیہ ایک چھوٹے سے فتنہ پرداز گروہ کی فتنہ سامانیاں ہیں جو آپ کے سکونِ خاطر کو درہم برہم کرنے کا ناپاک عزم رکھتا ہے ورنہ لوگ تو ہر طرح عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور ان کی زبانیں آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں لوگوں کے اخلاق بگڑتے ہیں ان کے اندر احساسِ شکست اور قنوطیت جیسے مہلک امراض پھیلتے ہیں وہ بے چارے خودغرضی، تعصب، تنگ نظری کا شکار ہوتے ہیں، لیکن یہ چالاک اور عیار لوگ برسرِ اقتدار گروہ کو قوم کے اس انحطاط سے یکسر غافل رکھتے ہیں اور انہیں ہر طرح سے یہ یقین دلاتے ہیں کہ ملت ان کی قیادت و سیادت میں ہر لحاظ سے قابلِ تعریف ترقی کر رہی ہے اور کسی شخص کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہیں یہ چند مخالف آوازیں ہیں جو کبھی کبھی جناب کے کانوں میں پڑتی ہیں وہ ایسے دشمنوں کی ہیں جو کسی صورت میں بھی آپ کے خیرخواہ نہیں ہوسکتے، یہ آپ کے ازلی بدخواہ ہیں جو آپ کے جاہ و جلال اور عزت و وقار کو حاسدانہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔

خوشامدیوں اور درباریوں کی یہ روش ہرگز کامیاب نہ ہوسکتی اگر حکمرانوں کا مزاج خوشامد پسند نہ ہوتا، یہاں تو ‘‘شہر یارے چنیں اور وزیرے چنیں’’ والا معاملہ ہے حکمرانوں کا رعایا سے الگ تھلگ رہنے کا رجحان اور اس کے معاملات کو مصاحبوں کے فراہم کردہ آئینوں میں دیکھنے کی عادت اور پھر عوام کے ساتھ تمرّد و استکبار کا رویہ یہ سب چیزیں اسلامی تعلیمات اور انسانی اقدار کے سراسر منافی ہیں انسان کے اندر سے جو جذبہ ان کی آبیاری کرتا ہے اس کا خمیر خودغرضی، انانیت اور ہوس کاری سے اٹھایا گیا ہے اور فریب خوردہ عقل نے ان غلط اور گمراہ کن افکار و اعمال کے جواز کے لیے بھی بعض بڑے عجیب نظریات

گھڑ لیے ہیں، سیاستدان جب اقتدار میں آتے ہیں تو وہی نظریات (دیوتائی اور فرضی خدائی) اپنا لیتے ہیں۔
یونانی ادب میں دیوتاؤں کا جو تصور موجود ہے وہ یہ ہے کہ ایک ما فوق البشر مخلوق انسانی آبادی سے بہت دور اونچے پہاڑوں پر عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہی ہے انسانوں کی حیثیت اس کے نزدیک محض کھلونوں کی سی ہے دیوتا جب ترنگ میں آتے ہیں تو انسانی آبادیوں پر بلا تکلف بجلیاں گراتے ہیں جن سے لاکھوں انسان نیست و نابود ہوتے ہیں کبھی وہ انسانوں کے درمیان جنگ و جدال اور قتل و غارت شروع کرا دیتے ہیں اور کبھی سمندروں میں جہازوں کے ڈبونے کا سامان کرتے ہیں انسان جب ان مصائب سے گھبرا کر چیختے اور چلاتے ہیں تو دیوتا ان کی اس آہ و فغاں میں چنگ و رباب کی سی لذت محسوس کرتے ہیں وہ انسانی نالوں پر تھرکتے اور ناچتے ہیں۔ ہمارے حکمرانوں کا انداز حکمرانی اور انداز سلطان یونانی ادب میں دیوتاؤں کے اس تصور کی عملی تعبیر ہے۔

ایسے حالات میں حکمرانوں سے کیا کسی خیر کی توقع رکھی جا سکتی ہے ریزولیشن، قرارداد اور مطالبات کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے جہاں باڑھ خود کھیت کو کھا رہی ہو وہاں باڑھ سے کیا کہیے کہ کھیت کی حفاظت کر۔ خدا کو اگر اس کھیت کی حفاظت کرنی ہے تو یا وہ اس باڑھ کو درست کرے گا یا پھر اس کی جگہ کوئی دوسرا باڑھ لگائے گا۔ خدا کی نگری کوئی اندھیر نگری نہیں ہے نہ وہ اس نگری کا العیاذ باللہ کوئی کٹھ پتلی راجہ ہے وہ خود دیکھ رہا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کی ہوئی یہ سرزمین نیکی اور شرافت کے لیے کس طرح تنگ ہوتی جا رہی ہے۔
ملک کے موجودہ حالات، بدامنی، شدید ترین بحران، کمر توڑ مہنگائی، فوج میں دینی قوتوں کے خلاف، اقدام اور ملکی سالمیت کے خلاف پرزور سازشوں سے آنکھیں بند کر کے بیلائے اقتدار سے ہمکنار حکمرانوں سے گذارش ہے کہ۔
خدا کے لیے ایک حد کے اندر رہیئے، عقل، انصاف اور آدمیت کی ساری حدیں طاقت کے زعم میں پھاندتے نہ چلے جائیے خود طاقت کی بھی ایک حد ہوتی ہے جہاں وہ غلط کاریوں کے باوجود کسی کو سنبھالتی چلی جاتی ہے۔ اس حد کو پار کر جانے کے بعد بڑے سے بڑا طاقتور انسان بھی اپنے آپ کو نہیں بچا سکتا۔

(عبدالقیوم حقانی)